قرآن کا تصوّرِ علم اور اسکی اہمیت

از قلم: ڈاکٹر ابصار احمد

اسلام وہ عظیم الشان نظام حیات ہے جس نے علم کی قدر و قیمت کو تسلیم کیا اور اسے بے حد اہمیت بخشی - ترتیب نزولی کے اعتبار سے وحی کی پہلی آیت "اقرء باسم ربک الذی خلق" پڑھنے کے حکم سے علم و دانش اور تعلیم و تعلم کے ضمن میں انسان کی اس استعداد پر دلالت کرتی ہے جس سے اشرف المخلوقات کو خالق کائنات نے بطور خاص بہرہ ور کیا ہے - چونکہ فہم و ادراک اور علم و دانائی کا حصول انسانی زندگی کے اغراض و مقاصد میں سب سے بنیادی ہے اسی لئے حق تعالےٰ نے اسے مشاہدہ اور استنباط کی صلاحیتوں سے نوازا ہے - قرآن نے جہاں آدم کے مسجودِ ملائکہ ہونے کا ذکر کیا وہاں اسکی وجہ یہ بتائی" وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (اور اس نے آدم کو سب نام سکھائے) قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک علم انسانیت کا شرف، قیادت کا سبب اور تسخیر ارض و سماء کا ذریعہ ہے - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علم کے متعلق فرمایا: طلب العلم فریضۃ علےٰ کل مُسلِمٍ وَ مُسلِمَۃٍ (طلب علم ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے) ایک اور ارشاد میں صاحبان علم کو "ورثۃ الانبیاء" قرار دیا - چنانچہ یہی وجہ تھی کہ عرب جہاں علامہ بلاذری کی تحقیق کے مطابق صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اسلام کی آمد کے بعد علم و حکمت کا سرچشمہ بن گیا جس نے پوری دنیا کو علوم و فنون سے سیراب کیا -

قرآن کریم نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کائنات تمہارے

لئے مسخر کردی ہے - وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (جو کچھ زمین میں ہے، وہ تمہارے لئے مسخر کیا ہے) دوسری جگہ ارشاد ہے - أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان — ۲۰) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو مسخر کردیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں - ان آیات کے علاوہ بہت سی دوسری آیات میں بار بار تدبر اور تفکر پر زور دیا گیا ہے - اور تقریباً ۷۵۶ آیات میں اس مضمون کی تاکید کی گئی ہے - اور انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ کائنات کا بغور مطالعہ کرے - بعض مقامات پر ہواؤں کے چلنے، بادلوں کے برسنے، پرندوں کے اڑنے، دانے کی بارآوری، دن اور رات کے الٹ پھیر اور دوسرے فطری امور کے مشاہدے کی ترغیب دی گئی ہے - اور ذکر و فکر کی صلاحیت کو اولوالالباب (عقل والوں) کی ایک صفت قرار دیا گیا ہے - یہاں تک کہ جو لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے ان کو چوپایوں سے تشبیہ دی گئی - بلکہ ان سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے — بَلْ هُمْ أَضَلُّ - چونکہ سائنسی تحقیقات، طبعی قوانین کے علم اور کائنات کے مشاہدے پر مبنی ہوتی ہیں اس لئے غور و فکر اور مشاہدے کی تاکید کر کے گویا اسلام نے سائنسی تحقیقات کی راہ ہموار کردی -

علم اور حق — KNOWLEDGE AND TRUTH

اسلام دین فطرت ہے - یعنی اسکی تمام تعلیمات حقائق اور امورِ واقعہ پر مبنی ہیں نہ کہ اوہام و خرافات اور دوراز کار قیاسات پر - اور ساتھ ہی وہ ایک ایسا جامع اور عالمگیر نظام زندگی ہے جسکا تعلق ایک طرف ذات باری تعالیٰ اور عالمِ مابعدالطبعیات سے ہے اور دوسری جانب کائنات اور عالم ارضی و سماوی سے ہے اور چونکہ انسان کا کوئی فکر، کوئی نظریہ اور عقیدہ اور کوئی عمل اور فعل علم کے بغیر استوار اور درست نہیں ہوسکتا اس بنا پر اسلام میں اہمیت کے اعتبار سے علم کو سرفہرست رکھا گیا ہے - اور بار بار مختلف اسالیبِ بیان

کے ذریعے اس کی افادیت اور ضرورت کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پروفیسر F. Rosenthal نے اپنی کتاب (Knowledge Triumphant) میں بالکل صحیح لکھا ہے۔

"علم ایک ایسا تصوّر ہے جو اسلام پر ہمیشہ چھایا رہا ہے۔ اور اس نے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کو ایک خاص شکل وصورت دی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علم کے تصوّر نے مسلمانوں کی تہذیب کو ہمہ جہتی طور پر وسعت و قوت سے متاثر کیا ہے۔"

واقعہ یہ ہے جیسا کہ پروفیسر مذکور نے اپنی کتاب کے پانچویں باب (صفحہ ۰۰) کا عنوان "علم ہی اسلام ہے" مقرر کیا ہے۔ قرآن میں اسلام اور دین کے لئے متعدد مواقع پر "حق" (یعنی سچائی یا Truth) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح قرآن میں متعدد مقامات پر علم بمعنی حق وسچائی مستعمل ہوا ہے۔ اس سے لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ از روئے قرآن علم اور اسلام دونوں ایک ہی جڑ کی دو شاخیں ہیں اور دونوں میں بہت قریبی نسبت ہے۔

اسلام میں علم کی اہمیت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ میں تخلیق آدم کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں صاف مذکور ہے کہ جب فرشتوں نے آدم کے بالمقابل خلافت الٰہی کے لئے اپنے استحقاق اور تسبیح و تقدیس خداوندی میں ہمیشہ مشغول رہنے کے باعث آدم پر اپنی فضیلت و برتری کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالےٰ نے جواباً فرمایا کہ اچھا اگر ایسا ہے تو تم کائنات عالم کے حقائق اشیاء بیان کرو فرشتوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو پھر اللہ تعالےٰ نے یہی سوال آدم سے کیا" اور آدم نے تمام حقائق اشیاء بیان کر دیئے۔ اب فرشتوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور بارگاہ الٰہی میں معذرت خواہ ہوئے۔ اس قصہ سے صاف معلوم ہوا کہ آدم یعنی انسانوں کو فرشتوں پر جو تفوق و برتری حاصل ہے اسکی اساس و بنیاد بجز علم اشیاء کے کچھ اور نہیں ہے۔

قاضی بیضاوی کہتے ہیں کہ ان آیات سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ انسان (بحیثیت مجموعی) فرشتوں سے افضل ہے، ساتھ ہی یہ ثابت ہو گیا کہ علم کو عبادت پر فضیلت و برتری حاصل ہے - اس کی تائید اس ارشاد نبوی سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو بدر کامل کو ستاروں پر ہے - علماء پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں - یعنی جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو روپیہ پیسہ بطور ترکہ نہیں چھوڑتے، بلکہ ان کا ترکہ علم ہوتا ہے اور علماء اس کے وارث ہوتے ہیں - اسلامی نظریہ حیات میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے فوراً بعد کتاب العلم کو رکھا ہے -

علم سے جو عظیم ترین معنوی اور روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں مندرجہ ذیل آیات میں ان کی نشاندھی کی گئی ہے - ارشاد ہوا -

(۱) إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (سورۃ الفاطر) — اللہ کے بندوں سے درحقیقت علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں

یہاں یہ نکتہ ملحوظ خاطر رہے کہ عربی میں خوف کے معنی بھی ڈر ہیں لیکن اس کے لئے علم ضروری نہیں - اس کے برخلاف خشیہ اس ڈر کو کہتے ہیں جس کا محرک علم ہو - یعنی چونکہ علماء اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات اور آثار قدرت یعنی کائنات عالم کا علم رکھتے ہیں اس بنا پر فی الحقیقت صرف وہی اللہ سے ڈرتے ہیں -

(۲) وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ — (اور اللہ کی ان نشانیوں کو ارباب علم کے سوا کوئی اور نہیں سمجھتا -)

(۳) وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ — (اور وہ یعنی اہل دوزخ کہیں گے، اگر ہم ہوش وگوش یعنی علم رکھتے تو دوزخ میں نہ جاتے)-

رہے دنیوی زندگی کے فوائد و منافع، تو اس سلسلہ میں طالوت کی بادشاہی کے واقعے سے راہنمائی ملتی ہے جس کا ذکر سورۃ البقرہ رکوع ۳۲ میں ہے -

اللہ تعالیٰ نے حکومت و سلطنت کے لئے طالوت کو اس لئے منتخب فرمایا کہ حکمرانی کا استحقاق دولت مندی پر موقوف نہیں بلکہ اس کا انحصار علم اور جسم میں فراخی پر ہے ۔ اور طالوت کو ان دونوں سے حصہ وافر ملا تھا ۔

علم کے ان عظیم دینی و دنیوی اور ظاہری و باطنی منافع و فوائد کے باعث قرآن میں اسکو خیر کثیر فرمایا گیا ہے ۔ ارشاد ہوا ،

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ   (اور جس شخص کو حکمت دے دی
فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا   گئی، اس کو بلا شبہ خیر کثیر سے
كَثِيرًا ۔   نواز دیا گیا)

اگرچہ لغوی اور اصطلاحی طور پر علم اور حکمت میں کسی قدر فرق ہو سکتا ہے لیکن اسلام میں دونوں لفظ ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں ۔

علم کی اہمیت اور اس کی عظمت و شرف کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم اولین و آخرین عطا کئے گئے تھے، لیکن چونکہ علم کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے آپ کو حکم دیا گیا کہ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (سورۃ طٰہٰ) کی دعا پڑھا کریں ۔

علم، سماجی حقیقت اور اقدار

KNOWLEDGE, SOCIAL REALITY AND VALUE

آج کل کے مروجہ نظام علم و تعلیم میں بالعموم علمیات یا نظریہ علم (Epistemology) اور نظریہ یا فلسفہ قدر میں امتیاز کیا جاتا ہے ۔ دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں فلسفے کے شعبوں میں نظریہ علم اور فلسفہ قدر یا اخلاق کو علیحدہ علیحدہ پڑھایا جاتا ہے جس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ علم اور قدر (Factual Knowledge/value) کی دوئی کو تعلیم کے نظام میں مستقل حیثیت دے دی گئی ہے ۔ حالانکہ یہ تقسیم عقلی طور پر محال ہے ۔ اور اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا ۔ نظریہ علم یا علمیات کا ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ وہ احوال و ظروف کس قسم کے ہوتے ہیں جن میں علم کا حصول

ممکن ہو سکتا ہے ۔ آج کے مادہ پرستانہ دور میں علم کی تعریف غلط طور پر صرف ان سوالات تک محدود کر دی گئی ہے جن کا تعلق صرف مادی دنیا اور اس کے واقعات (Facts) سے ہے ۔ حالانکہ اگر علم کے موضوع میں خود اپنی ہستی کے بارے میں، حقیقت الحقائق یا بنائے حقیقت کے بارے میں اور سماج اور فرد کے اس سے تعلق کے سوالات شامل کئے جائیں تو اسلام کا یہ نقطہ نظر بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ سیکولرزم اور سائنٹ ازم بنیادی طور پر ایسے گمراہ کن (Mystifing) نظریہ حیات ہیں جن میں لوگوں کو اپنی ہستی اور زندگی کے مقاصد اور اعلےٰ حقائق کے وقوف سے محروم رکھا جاتا ہے۔ علم کے مسئلہ پر صحیح طور پر مابعد الطبیعاتی حقائق اور سماجی تعلقات کے پس منظر ہی میں بحث ہو سکتی ہے ۔ اور صرف اسی موڑ میں گمراہ کن نظریات اور التباس علمی کو حقیقی علم سے بدلا جا سکتا ہے ۔ اس تناظر میں علم کا مسئلہ سطحی اور خارجی مباحث سے ہٹ کر انسانی ذہن و عقل کی ساخت اور سماج و تمدن کے اس طرز سے بحث کرتا ہے جو علم کو ممکن اور قابل حصول بناتے ہیں ۔ علم و آگہی کس طرح ذہن انسان سے علاقہ کرتا ہے اور یہ کہ فرد اور اس کے علم میں کیا رشتہ ہونا چاہیئے ۔ چنانچہ اس طرح تعلیم کے مستحسن اور حریت پسند طریقے (Non-oppressive forms of Knowledge) بھی زیر بحث آتے ہیں جن کے ذریعے لوگ اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور مثبت افکار کا اظہار برملا کرتے ہیں اور اپنا اور سوسائٹی کا گہرا شعور حاصل کرتے ہیں ۔ اس کے برعکس موجودہ سیکولر غیر مذہبی نظامہائے زندگی میں افراد کو ایسا کرنے کی اجازت قطعاً نہیں دی جاتی ۔ انہیں اپنے نظام زندگی کے بنیادی مسلّمات کو چیلنج کئے بغیر اپنانے پر مجبور کیا جاتا ہے ۔ اور ایک بڑی اکثریت ان مسلّمات کے فہم و ادراک سے بھی عاری رہتی ہے ۔

سطور بالا سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ رائج الوقت سیکولر نظام تعلیم اور فلسفہ علم، عقل و دانش کو تحدید اور تجزیہ (Fragmentation) کے ذریعے بے اثر بنا دیتا ہے ۔ ہم مسلمان مفکرین کا اہم فریضہ یہ ہے کہ ہم موجودہ

اصطلاحاتِ علمی اور مباحث کو اپنانے ہوئے کسی بھی فکری استبداد کے ایجنٹ نہ بنیں - بلکہ ناقدانہ اور معروضی منہاج کو استعمال کرتے ہوئے سیکولر نقطۂ نظر کی فکر پر بالادستی کو قبول نہ کریں - اور ایک ایسے حقیقی اور مؤثر مذہبی کلچر کی تعمیر میں فعال حصّہ ادا کریں جس میں زندگی کے تمام حقائق کا بطریقِ احسن اور منضبط طور پر خیال رکھا گیا ہو -

عصری فلسفہ و تفکر میں جس خصوصیت کی سب سے زیادہ اہمیت ہے میرے خیال میں وہی اس کا سب سے بڑا نقص ہے - جدید فلسفے میں مسائل کے نظری پہلوؤں پر اس انداز میں گفتگو ہوتی ہے گویا سوچنے والا ان مسائل سے علیحدہ اور باہر وجود (Scholarly Detachment) رکھتا ہے - اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فلسفہ و تفکر میں ٹھوس اور حقیقی مواد باقی نہیں رہتا - یہی وجہ ہے کہ عصرِ حاضر کے بیشتر مفکرین کا اپنے ماحول اور سماجی حقیقت سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا - ان کے خیالات زیادہ تر بالکل نظری اور صوری تحلیل کے حامل ہوتے ہیں - اور چونکہ ٹھوس حقائق کی دُنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے معاشرے کی تعمیر میں وہ کوئی حصہ ادا نہیں کر سکتے - اس کے برعکس مسلمان مفکرین کو دور از کار بے سود اور لایعنی مسائل میں الجھنے کی بجائے اپنی ذات کے شعور اور مثبت سماجی تبدیلی کے حصول میں کوشاں ہونا چاہیئے - اور نبی نوعِ انسان کو انسان دشمن اور استحصالی فلسفیانہ افکار سے نجات دلاکر مذہب کے وسیع اور انسانیت پرور تصور کی روشنی میں علم و تحقیق کی تعمیرِ نو کرنی چاہیئے - ان خیالات کو زیادہ آسان فہم انداز میں بزبان انگریزی یوں ادا کیا جا سکتا ہے

We Muslims should stand for less academics and more self-understanding and concrete social change. We should liberate humanity from inhuman and enslaving philosophical presuppositions and reconstrue knowledge in the light of broad religro-humanistic framework of Islam.

تاریخی طور پر نوع انسان کے موجودہ علمی و تمدنی انتشار اور بگاڑ کا آغاز یورپ کی اٹھارویں صدی کی تحریک عقلیت پسندی یا روشن خیالی سے شروع ہوتا ہے۔ جس میں عقل (ایک محدود تصور کے ساتھ) اور تجسس، علمی منہاج کے دو اہم ستون قرار پائے۔ اس تحریک کے فلاسفہ اور مفکرین نے مختلف علوم اور مسائل پر تحقیق ہی نہیں کی، بلکہ ان سے زندگی کے بارے میں جامع نقطہ نظر بھی اخذ کرنا چاہا۔ سائنسی علوم سے انہوں نے تشکیک اور تدریجی استنتاج کا انداز اختیار کیا جس کا سب سے بڑا علمبردار فرانسیسی مفکر ڈیکارٹ ہے۔ مزید برآں تجسس و دریافت کے عمل سے مطابقت رکھتا ہوا اضافیت پسند طرز فکر (Relativistic attitude) مذہبی عقائد اور زندگی کی عظیم تاریخی اقدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس فلسفیانہ تشکیک اور اضافیت پسندی کو انسان کی عظمت بڑھانے میں ممد سمجھا گیا۔ حالانکہ بعد کے ڈیڑھ دو سو سال کے واقعات نے مغربی مفکرین کے اس خیال کو خوش فہمی سے زیادہ کچھ ثابت نہ کیا۔ بیکن، ڈیکارٹ، ہابس، لاک، نیوٹن ــ ان تمام مفکرین نے حقیقت (Truth) کو جاننے کے عقلی (Rational) معیار پر بالکلیہ زور دیا۔ نیوٹن کے میکانیاتی منہاج کو اس پورے طریق علم میں مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ انیسویں صدی میں عقلیت پسندی، مادیت اور مادی نقطہ نظر کے ایک بڑے خطہ ارضی پر غلبے کے ساتھ اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔ اثباتیت، مارکسی مادیت اور بیسویں صدی کے اوائل میں شروع ہونے والی ایک تحریک منطقی تجربیت نے اقدار (Values) کو علم کے دائرے سے یکسر خارج کر دیا۔ اخلاقی اقدار کے مباحث کے بارے میں کہا گیا کہ یہ علم یا (Proper Knowledge) کا حصہ نہیں۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افادیت پسندی (Utilitarianism) کے مکتب فکر نے اپنے قدم جما لئے۔ جس میں اگرچہ نظری طور پر خوشی یا مسرت کی بات کی گئی لیکن عملاً خوشی کا تعین زیادہ سے زیادہ مادی اشیاء کی فراہمی اور جسمانی سہولت کے حصول سے کیا گیا۔ موجودہ دور کی صنعتی تہذیب میں اس رشتے کی عملداری

ہر شخص دیکھ سکتا ہے ۔

انگلستان کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کے دوران میں نے خود یہ احساس شدت سے محسوس کیا ہے کہ کم از کم اینگلو امریکن لسانی اور تحلیلی فلسفہ انسانی تمدن، اخلاق، اور علمی مسائل حل کرنے میں بالکل قاصر ہے ۔ اور وہاں کے نوجوان طلباء کی ایک بڑی تعداد جدید فلسفے سے بیزار نظر آتی ہے ۔ ان کے ساتھ گفتگو کے بعد جو خیال شدت سے ذہن میں ابھرتا تھا اس کو بزبان انگریزی یوں ادا کیا جا سکتا ہے ۔

> Contemporary Anglo-American linguistic and analytic philosophy is at a dead end. Its acadamic practitionars have abandoned the attempt to understand the world, let alone change it. They have turned philosophy into a narrow and specialized acadamic subject of little relevance and interest of any-one outside the small circle of professional philosophers. The result has been that serious philosophical work beyond the convertional sphere has been minimal.

ہنرک سکولیموسکی نے اپنے مضمون میں جو انگریزی مجلے 'ECOLOGY' کے جنوری ۱۹۷۱ء کے شمارے میں شائع ہوا، موجودہ دور کے علمی اور تعلیمی رجحان کو " BAZAROVISM " سے تعبیر کیا ہے ۔ یہ لفظ اس نے ترگینیو کے ناول 'Fathers and Children' سے اخذ کیا ہے جس کا مرکزی کردار Sergei Bazarov عصر حاضر کے ملحد، مادی اور سائنسی نقطہ نظر رکھنے والوں کی نمائندگی کرتا ہے ۔ ان حضرات کے نزدیک Fact اور Positive Knowledge کے علاوہ کسی اور چیز کی کوئی حقیقت نہیں ۔

> He has no use for art, for poetry, for other romantic rubbish. The modern man is engulfed so completely by the wor-ship of reason and scientific fact and

bogus empericism that it is often difficult to see through them and assess their impact on society. According to Skolimowski, Bazarov is at once an embodiment of the prevailing nehilism, materialism, scientism and positivism, which in their respective ways regarded intrinsic values as secondary, insignificant, or even non-existent in the world of cold fact, clinical objectivity and scientific reason.

اس کے برعکس اسلامی نقطۂ نظر سے علم صرف مادی اور واقعاتی یا سائنسی معلومات کے ذخیرے کا نام نہیں۔ بلکہ انسان کے اس مابعدالطبیعاتی کلی نظریے کا حصّہ ہے جس میں وہ نہ صرف سائنسی معلومات اکٹھی کرتا ہے بلکہ خود اپنی حقیقت، ماہیت کائنات، خالق کائنات اور مبداء و معاد جیسے تمام اہم سوالات سے بحث کرتا ہے۔ مشہور فلسفی لڈوگ وٹگنشٹائن نے اسی خیال کو ایک دوسرے انداز میں اس طرح پیش کیا ہے:

"Even if every possible scientific question were answered, the problem of our living would still not been touched at all."

چنانچہ قرآن کا نظریہ علم حیاتِ انسان کے ایک مکمل تصور Total Gestalt کا ایک جزو ہے۔ اس میں علم اور عمل دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک مشہور مقولہ ہے "العمل بلا علم ضلال والعلم بلا عمل وبال"۔ جو عمل علم کے بغیر ہو وہ گمراہی ہے اور جو علم عمل کے بغیر ہو وہ وبال اور مصیبت ہے۔ جو لوگ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے، قرآن و حدیث میں ان کی شدید مذمت آئی ہے۔ ایک آیت میں عالم بے عمل کو اس گدھے سے تشبیہہ دی گئی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ اس بنا پر قرآن کی اصطلاح میں وہ عالم بھی جاہل ہے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا۔ از روئے قرآن علم صرف تصوراتی سطح پر صحیح معنوں میں علم نہیں ہوتا ہے۔ یہ علم اس وقت بنتا ہے جب

یہ طالب حق کے وجود میں سرایت کر جائے اور اس کا عمل اس کے مطابق ہو جائے۔

Knowledge in the framework of Islam can not be squared with an anti-activist or 'spactater'view of it which aims merely at an enlargement of the understanding. Indeed it here becomes an essentially practical subject it seeks to get people to do things. It cannot remain uncommitted to social action.

علم کے ذرائع

آخر میں ایک اہم سوال پر جو حصول علم کے ذرائع سے متعلق ہے، مختصراً روشنی ڈالوں گا۔ علم حاصل کرنے کے منابع و ذرائع کیا ہیں۔ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب بھی تشنہ نہیں چھوڑا اور اسے متعدد مواقع پر مختلف اسالیب سے واضح کیا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں قرآن علم کی دو قسمیں بیان کرتا ہے۔

(۱) علم حضوری، جو بلا کسی واسطہ اور ذریعہ کے براہ راست حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً انسان کو خود اپنی ذات اور اسکی کیفیات و محسوسات کا علم۔ اس کو وجدان، الہام یا فطرت بھی کہتے ہیں۔ اسکی ابتدائی شکل حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً قرآن میں آتا ہے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (تم لوگ خود اپنے نفس یا ذات کے اندر کیوں نہیں دیکھتے) ۔ یہ فرما کر اسی ذریعہ علم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا۔

(۲) علم کی دوسری قسم ہے علم حصولی۔ یہ اس علم کا نام ہے جو کسی شے کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس علم کے حصول کے تین ذرائع ہیں۔ (۱) وحی الٰہی (۲) عقل (۳) حواس خمسہ

قرآن میں جا بجا انسانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ خدا تعالٰے کی عطا کردہ ان قوتوں کو بروئے کار لائیں جو علم کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس کے برخلاف جو لوگ ان قوتوں سے کام نہیں لیتے، یہاں تک کہ وہ زنگ آلود ہو جاتی

ہیں، ان کی شدید مذمت کی گئی ہے ۔ سورہ اعراف کی آیت ۱۷۹ میں فرمایا۔
" ان کے پاس دل ہیں ، مگر یہ ان سے سمجھ کا کام نہیں لیتے ۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں جن سے یہ نہیں دیکھتے ، ان کے پاس کان ہیں ۔ مگر یہ ان سے سنتے نہیں ۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں ۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں ۔ اور یہی لوگ تو غافل ہیں ۔"

اس آیت میں قلب کو آلہ تفقہ قرار دیا گیا ہے ۔ یہ ایک نہیں ، قرآن مجید میں اس جیسی اور متعدد آیات ہیں جن میں ان لوگوں کے لئے سخت وعید سنائی گئی ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ بتایا گیا ہے جو فہم و ادراک اور تعقل و تفکر کی صلاحیتوں سے کام نہیں لیتے اور اسی لئے جاہل بنے رہتے ہیں ۔

مندرجہ بالا آیت کے حصے " لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا " میں قلب کو آلہ تفقہ قرار دیا گیا ہے ۔ تفقہ صرف منطقی Discursive فکر کا نام نہیں ۔ جس میں اشیاء پر علیحدہ علیحدہ اور صرف ظاہر اشیاء پر نظر ڈالی جاتی ہے ۔ تفقہ وہ گہرا اور تالیفی فکر ہے جس میں حقیقت کا من حیث المجموع وقوف حاصل کیا جاتا ہے ۔ اور انائے صغیر کا انائے کبیر کے ساتھ براہ راست تعلق پیدا ہوتا ہے ۔ چنانچہ حقیقت کے کلی ادراک کے لئے مشاہدات حواس کو فؤاد یا قلب کے اس وظیفہ سے بھی مدد لینی ہوگی جسے قرآن نے تفقہ کہا ہے ۔ میرے خیال میں شاعر مشرق علامہ اقبال نے اسی کو عشق کہا ہے ۔ بالکل اسی خیال کا اظہار امریکی عیسائی مفکر پال ٹلک نے ان الفاظ میں کیا ہے ۔

"Full knowledge does not admit a difference between itself and love, or between theory and practice." (The shaking of the foundation, P.115.)

حقیقت یہ ہے کہ عقل انسانی کی نوعیت و ماہیت سے آج کا جدید ذہن بالکل ناواقف ہے ۔ اس نے عقل کو صرف استنباط و استقراء کا آلہ یا Functional Intelligence سمجھ رکھا ہے ۔ جبکہ دراصل عقل انسانی کے سوتے انسان کے انتہائی اندرونی روحانی مرکز سے پھوٹتے ہیں ۔ عربی زبان

میں عقل اس صلاحیت یا اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو خالق کائنات کی سمت بتاتے یا اس سے باندھے۔ اس مفہوم میں یہ لفظ طابق الفاظ Intell-clus or Nous & Ratio(reason) کے مترادف ہے۔ از روئے قرآن عقل (عقل سلیم) انسان کو صراط مستقیم سمجھا کر اخروی کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ وحی الٰہی عقل کی اس استعداد کو مزید تقویت پہنچاتی ہے۔ اگر عقل پر جذبات اور شہوات کے پردے پڑ جائیں اور نفس امارہ اس پر غالب آجائے تو عقل انسانی حقیقت سے محجوب ہو جاتی ہے۔

قرآنی نظریہ علم کی ایک کلیدی لفظ "تذکّر" اور اس کے مشتقات پر غور کرنے سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ تذکر، ذکر، تذکیر قرآن کی انتہائی اہم اصطلاحات ہیں۔

OOOOOOOOO

لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم
کے کلام کو سمجھنے کے لئے
پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی تالیف
شرح تلمیحات و مشکلات اکبر
کا مطالعہ اکسیر کا درجہ رکھتا ہے
قیمت فی نسخہ ۔۔۔۔۔ -/۱۵ روپے (محصول ڈاک علاوہ)